Fikr-o-Nasar (Islamabad) 8:2 (1970)

تاریخ اسلام میں

معاشی مسائل کے حل سے متعلق بعض منفرد نظریات

علال الفاسی ـــــــ ترجمہ : محمود احمد غازی

کتاب وسنت پر مبنی اسلام کا صاف ستھرا معاشی نظریہ پیش کرنے سے قبل ہم چاہتے ہیں کہ چند ایسے اہم شاذ نظریات کا ذکر کر دیں جو اسلامی تاریخ کے ادوار میں اہل سنت یا اہل بدعت کی طرف سے پیش کیے گئے۔[1] اس طرح ہماری نظروں کے سامنے سے پردہ اٹھ جائے گا، اور ہمیں نظر آنے لگے گا کہ یہ جدید نظریات جن کی طرف آج بہت سے لوگ دعوت دے رہے ہیں دراصل وہ اجتماعی مشکلات کو تقسیم معیشت کے ذریعے حل کرنے کی بعض قدیم فکری کوششوں کا محض ایک جدید مظہر ہیں۔

سب سے پہلے یہ بتا دینا ضروری ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں مکہ تجارتی، عربی، لادینی وروحانی اشرافیت (ARISTOCRACY) کے زیر تسلط تھا۔ یہ اشرافیت جو بعض عرب سرداروں کی طرف سے ان احوال کے استحصال کا نتیجہ تھی جو لوگوں کے لئے تعمیر شدہ خدا کے پہلے گھر کے ہمہ گیر عزت واحترام سے پیدا ہو گئے تھے۔ یہ لوگ بیت اللہ کے متولی اور کعبہ کے نگہبان ہونے کی وجہ سے غیر قریشی قافلوں پر عرب قبائل کی طرف سے کئے جانے والے حملوں سے محفوظ رہ کر بے خوفی سے شام اور جزیرۃ العرب کے درمیان مالِ تجارت کی درآمد و برآمد کرتے رہتے تھے، اس طرح ایک ایسی زبردست سرمایہ داری وجود میں آ گئی جس نے بت پرستی اور جاہلیت کی روح کو تقویت پہنچائی۔ اسلام نے آ کر کمزوروں کے دلوں میں ایک عظیم الشان تاریخی انقلاب برپا کر دیا انہیں خدائے وحدۂ لاشریک لہ کے سامنے جھک جانے کی دعوت دی اور اس خطا کار اقتدار کو بے اثر بنا کر پھینک دیا۔

---

[1] اسلام کے معاشی نظریہ پر مشتمل باب کا ترجمہ "فکر و نظر" بابت مئی ۱۹۷۰ء میں گزر چکا ہے۔

© Dr Muhammad Hamidullah Library, IIU, Islamabad.
http://iri.iiu.edu.pk/

جس نے انہیں ایسے اوہام و خرافات کا بندہ بنا ڈالا تھا جو نہ عقلاً درست تھے نہ مذہباً جائز۔ اس نے فقراء کو یہ حق دیا کہ وہ دولت مندوں سے ان کے اس مال میں سے جو اللہ تعالیٰ نے انہیں دیا ہے اپنا حصہ طلب کریں۔ صدقہ و خیرات کے ذریعے نہیں بلکہ اس واجب الاداز کوٰۃ کے ذریعے جس کے انکار کرنے والے سے جنگ بھی کی جائے گی۔ قرآن حکیم نے پورے اہتمام سے اس معاشی نظام کو پیغام مرگ سنایا ہے جو پہلے سے وہاں رائج تھا[1] چنانچہ اس نے سود کو حرام قرار دیا۔ احتکار (اجارہ داری) کی ممانعت کی اور یہ بھی ضروری ٹھہرایا کہ معاشرہ میں دولت کی گردش صرف دولت مندوں ہی کے درمیان نہ رہ جائے۔ اس طرح بہت سی قرآنی آیات اور احادیث نبویہ کی شرح و تاویل کا میدان کھل گیا۔ چنانچہ بہت سے صحابہ ذخیرہ اندوزی کو بالکل ہی ممنوع سمجھنے لگے، حتیٰ کہ ایسی صورت میں بھی جب کہ کوئی شخص اپنی کسی چیز کو فروخت کر ڈالنے کی کوئی فوری ضرورت ہی محسوس نہ کرے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات شیخین کے وصال کے بعد حالات اور بدل گئے۔ فتوحات کی کثرت کی وجہ سے مسلمانوں کے پاس مال و دولت کی بہتات ہوگئی اور بعض صوبائی گورنروں اور ان کے نائبین کو خواہشاتِ نفسانی نے آلیا، ان لوگوں نے دولت سمیٹنا اور اسے جمع کرنا شروع کر دیا۔ ان میں وہ زہد و ورع باقی نہ رہا تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے اُن صحابہ اخیار میں پایا جاتا تھا جنہوں نے آپؐ کے بعد بدعات کا ارتکاب نہیں کیا تھا اس طرح طبقاتی امتیازات کی ابتدا ہوگئی ایک طبقہ انتہائی فقیر اور دوسرا انتہائی آسودہ و غنی وجود پذیر ہوگیا۔ پہلے طبقے میں دوسرے طبقے پر نکتہ چینیاں کرنے کا جذبہ پیدا ہوگیا اور وہ جمع ہو کر ایک ایسے قائد کا انتظار کرنے لگے جو اس دولت مندی کا مقابلہ کرنے میں جس کی مثال پہلے نہیں ملتی اور قرآن کی تعلیمات پر مبنی اسباب معیشت میں مساوات کا مطالبہ کرنے میں ان کی راہنمائی کرے۔

اس قسم کی پہلی اجتماعی تحریک جنت کی خوش خبری پائے ہوئے صحابیوں میں سے ایک مشہور صحابی حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کے جھنڈے تلے شروع ہوئی۔ یہ بزرگ فقرائے

---

[1] علامہ اقبال مرحوم فرماتے ہیں:

چیست قرآں ؟ خواجہ را پیغامِ مرگ دستگیر بندۂ بے ساز و برگ (مترجم)

عرب میں سے اسلام قبول کرنے والوں کے مقدمہ میں تھے۔ اپنے طور طریق اور اصول کی پابندی میں بڑے متشدد تھے۔ دعوتِ اسلام قبول کرنے کے بعد جب انھوں نے دیکھا کہ مسلمان ابھی تک اپنے اسلام کو چھپا رہے ہیں تو انھوں نے مشرکین مکہ کے اجتماع میں بیانگِ دہل کلمۂ شہادت کا اعلان کر دیا۔ اس کی پاداش میں انہیں جو اذیتیں پہنچیں وہ نہ ان کو اپنی بات کے پوشیدہ رکھنے پر آمادہ رکھ سکیں اور نہ اپنے مؤقف سے ہٹ جانے پر۔ حضرت ابوذرؓ کی یہ حق گوئی و بیباکی آخر دم تک قائم رہی۔ مکہ جیسے شہر میں بھی ان کا قیام انہیں اپنے لئے کسی قسم کی دنیوی خوشحالی اور زیب و زینت حاصل کرنے کے لئے تیار نہ کر سکا۔ حضرت ابوذرؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث اور قرآن کی ان آیات میں جو زہد و قناعت اور دوسروں کی خبر گیری کا سبق دیتی ہیں وہ سب کچھ مل جاتا تھا جو اُن کی روحانی فطرت اور انسانیت پسند طبیعت کے تقاضوں کو پورا کر دے۔ اس سلسلے میں انھوں نے اپنی ایک مخصوص رائے قائم کر لی تھی جس کو مسلمان سنتے تو اس کی تعظیم کرتے تھے اور جب وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گوش گزار ہوتی تو آپؐ نہ اس پر اعتراض فرماتے اور نہ اس کو کوئی واجب العمل رائے قرار دیتے جس کا سب ہی اتباع کریں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کا جو مقام تھا وہ غالباً اس حدیث سے زیادہ وضاحت کے ساتھ اور کہیں نہیں ملے گا۔ "رحم اللہ اباذر یعیش وحدہ ویموت وحدہ ویبعث وحدہ" (اللہ ابوذر پر رحم فرمائے یہ تنہا زندگی گزاریں گے تنہائی میں مریں گے اور روزِ حشر تنہا اٹھائے جائیں گے) مطلب یہ ہے کہ جندب (ابوذر) غفاری اپنی اس رائے میں منفرد حیثیت رکھتے تھے اور اس طریقۂ کار پر عمل نہیں کرتے تھے جس پر عمل کرنا عام مسلمانوں کے لئے بھی آسان ہو۔ لیکن بایں ہمہ وہ دائرۂ دین میں چل رہے تھے اور دینِ حنیف کی رہنمائی سے کسی صورت باہر نہ ہوئے تھے، وہ اپنی جگہ ایک امت تھے اس لئے کہ انھوں نے اپنے اندر اس قدر استطاعت پیدا کر لی تھی کہ وہ محنت مشقت اور تھوڑے پر قناعت کے اس انتہائی درجہ کو حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ جس کو ایک مومن حاصل کر سکتا ہے، اور اس بارے میں وہ نہایت راست گوئی اور واضح دلیل سے کام لیتے تھے۔ چنانچہ اپنے اس کردار و اخلاق پر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس تبصرہ کے مستحق ہو گئے "ما اظلت الخضراء ولا اقلت الغبراء اصدق لهجة من ابی ذر" اس فرش خاکی نے آسمان کے سایہ تلے ابوذر سے زیادہ کسی راست گفتار ہستی کو نہیں اٹھایا۔

حضرت ابوذرؓ کا خیال تھا کہ کسی مسلمان کو ایک دن رات کی خوراک یا راہِ خدا میں خرچ کی جانے والی یا آخرت کا سامان تیار کرنے والی چیز سے زائد کسی شے کو اپنی ملکیت میں نہیں رکھنا چاہیئے۔ منقول ہے کہ وہ اکثر فرمایا کرتے تھے۔ " اپنے مال کو دو درہم بنالو، ایک درہم آخرت کے لئے اٹھا رکھو اور ایک درہم اپنے گھر والوں پر خرچ کر دو۔ تیسرا درہم تمہیں نفع نہیں نقصان پہنچائے گا لہذا اس کی تلاش میں نہ رہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ان کی اس دعوت کا عملی طور پر کوئی گہرا اثر نہ پڑا لیکن اس سلسلے میں ہمارے لئے اہم بات یہ جاننا ہے کہ اسلام میں کس قدر وسعت و رواداری ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کشادگیٔ قلب کا کیا حال تھا۔ اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ اگر کوئی شخص دائرۂ اسلام میں رہ کر حضرت ابوذرؓ جیسے خلوص سے ملکیت کی حرمت کا دعویٰ کرے تو وہ دین سے خارج یا شریعت سے بعید نہ ہوگا، اگرچہ اصولی طور پر اور آئندہ پیش کی جانے والی شرائط کے مطابق اسلام کا صحیح نظریہ ملکیت کے جواز ہی کا ہے۔ اس میں وہی حکمت ملحوظ ہے جو اس اسلامی اصول میں ہے کہ عوام کو مصادرِ دین کی فہم و تاویل کا حق دے کر انہیں قانون سازی میں شریک کر لیا جائے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں مسلمانوں پر کڑا وقت آگیا۔ حضرت ابوذرؓ مسلمانوں کی مقصد فراموشی اور ترکِ واجبات کو نہ دیکھ سکے اور شام چلے گئے جہاں انھوں نے حضرت معاویہؓ اور ان کے درباریوں کے ٹھاٹ باٹ دیکھے جس سے انہیں مزید کوفت ہوئی۔ انھوں نے سنا کہ حکامِ مملکت فے کو "مال اللہ" کہتے ہیں اور یہ نام انھوں نے اس مال کے مسلمانوں کا ہونے اور ان کے درمیان تقسیم کئے جانے میں مانع خیال کیا۔ چنانچہ حضرت ابوذرؓ نے اس غلطی کی اصلاح کے لئے مردانہ وار جہاد کیا اور کہا: "فے مالِ اُمت ہے لہذا افرادِ اُمت کے درمیان اسے تقسیم کر دینا واجب ہے"۔ بعد ازاں انھوں نے ملکیت کی حرمت اور اجارہ داری و ذخیرہ اندوزی کی ممانعت کے لئے اپنی دعوت کو پھیلانا شروع کیا۔ چنانچہ ان کے ارد گرد فقراء جمع ہونے لگے اور عوام ان کے ہم خیال ہوگئے اگر ان کی طبیعت صلح پسند نہ ہوتی تو وہ حضرت معاویہؓ اور ان کے ساتھیوں کے خلاف ایک خونیں انقلاب کے شعلے بھڑکا دیتے لیکن امیر معاویہؓ نے انہیں شام سے نکال دیا، پھر خلیفہ نے ان کو ربذہ میں جلا وطن کر دیا جہاں تنہائی کی حالت میں ان کا انتقال ہوگیا۔

پروفیسر احمد امین کا خیال ہے کہ حضرت ابوذرؓ کے افکار مشہور یہودی عبداللہ بن سبا کے نظریات سے متاثر تھے، وہ طبری کی اس روایت سے استدلال کرتے ہیں کہ ابن سبا نے حضرت ابوالدرداء اور عبادۃ بن الصامت رضی اللہ عنہما کے سامنے دولت مندوں کے خلاف اپنے بعض نظریات پیش کئے لیکن انھوں نے اس کی کوئی بات نہ سنی۔ پھر عبادہ اسے معاویہؓ کے پاس لے گئے اور کہنے لگے کہ "خدا کی قسم اس شخص کو ابوذرؓ ہی نے آپ کے خلاف بھڑکایا ہے"۔ لیکن ہم اس خیال کو صحیح نہیں سمجھتے، اس لئے کہ ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں بھی حضرت ابوذرؓ کے یہ خیالات ملتے ہیں اور ہم دیکھتے ہیں کہ وہ اپنی اپنی رائے کے ماتحت "والذین یکنزون الذھب والفضۃ ولا ینفقونھا فی سبیل اللہ فبشرھم بعذاب الیم" (۳۴/۹) کی تفسیر کرتے ہیں۔ حضرت معاویہؓ کے عہد میں ابوذرؓ کے رویّہ نے صرف اتنی جدت پیدا کر لی کہ وہ پہلے کے مقابلے میں زیادہ جرأت مند ہو گئے، اس لئے کہ لوگوں کے طرز عمل نے انہیں اپنی رائے کا اعلان اور اپنی دعوت کی تبلیغ پر مجبور کر دیا تھا۔ تاریخی پہلو سے کوئی ایسی دلیل نہیں ملتی جس سے اس دعویٰ کی تائید ہوتی ہو کہ ابن سبا حضرت ابوذر غفاری کی اشتراکیت سے ملتے جلتے باقاعدہ مرتب و منظم نظریات رکھتا تھا۔ صرف فرض کیا جاتا ہے کہ ابن سبا نے یہ افکار عراقی مزدکیوں سے حاصل کئے تھے جو اسی قسم کے نظریات رکھتے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت ابوذرؓ نے اسلام کے اوّلین مصادر پر بھروسہ کرتے ہوئے اپنی اس مخصوص تفسیر کا بہت پہلے اعلان کیا تھا جب کہ کسی مسلمان کا عراق سے تعلق تھا نہ شام سے۔

امویین کے زمانے میں جب مسلمانوں نے حضرت عمرؓ کی پالیسی کے خلاف مفتوحہ ممالک میں اراضی خریدنا شروع کیں تو حالات کافی بدل گئے، جب ان کو بھی دوسرے ذمیوں کی طرح خراج کی ادائیگی پر مجبور کیا گیا تو عربوں نے دوسرے مسلمانوں پر برتری جتانی شروع کر دی اور ایران میں موجودہ دور کی طرح کے قوم پرستانہ نعرے سنے جانے لگے، اگرچہ وہ لوگ اسلام کو بطیب خاطر اپنا دین بنا چکے تھے۔ تاہم یہ ضرور چاہتے تھے کہ انہیں اپنے ملک کے انتظام و انصرام میں آزادی حاصل رہے۔ چنانچہ بابکیت کے نام سے ایران میں ایک سیاسی سوشلسٹ تحریک رونما ہو گئی۔ اس کا مقصد بڑی بڑی اراضی کو مالکان سے چھین کر کاشت کاروں میں تقسیم کرنا تھا، لیکن اس

تحریک میں وہ پاکیزگی اور خلوص نہ تھا جو حضرت ابوذرؓ کے انقلاب میں موجود تھا۔ اس لئے کہ مرد وزن کے باہمی تعلقات کے بارے میں اس تحریک کے نظریات دینداروں کے مقابلے میں اباحت پسندوں کے طرز عمل سے زیادہ قریب تھے، اور گو یہ تحریک آذربائیجان کے اطراف میں ہولناک جنگ بھڑکانے میں کامیاب ہوگئی تھی لیکن معتصم نے اس پر قابو پاکر تحریک کے لیڈر بابک کو گرفتار کرلیا۔ اس تحریک کی ناکامی کے اسباب میں اس کے اباحت پسندانہ رجحانات کے علاوہ ایرانی نسل کی برتری کے عقائد کو بڑا دخل تھا، چنانچہ اسے عرب وعجم میں سہارا دینے والے نہ مل سکے۔

خلافت پر امویین کے تسلط اور ان کے بادشاہوں اور قیصر وکسریٰ جیسے طور طریقے اختیار کرنے سے ایک طرف تو اہل بیت میں غم وغصہ کی لہر دوڑ گئی اور دوسری طرف مفتوحہ قوموں میں بھی بددلی و ناراضی پھیلی۔ یہ سب قوتیں مخالفت پر آمادہ ہوگئیں اور طرز حکومت نیز اسلوب نظم ونسق کے بارے میں گوناگوں نظریات پیدا ہوگئے اور متعدد جماعتیں وجود میں آگئیں۔ اس تعدد سے بڑی خرابی یہ پیدا ہوئی کہ انتظامی معاملات خالص دینی معاملات سے خلط ملط ہوگئے، اس طرح "اسمٰعیلیہ" فرقہ پیدا ہوا جس سے عباسیوں کے دور میں فاطمی حکومت نے جنم لیا۔ اگرچہ فاطمی حکومت عباسی حکومت کو ختم نہ کرسکی لیکن وہ اہل سنت کے بہت سے بنیادی اصولوں کو ختم کردینے میں کامیاب ہوگئی۔ اس سے شعوبیوں کو بھی اپنی باطنی تنظیم قائم کرنے کا موقع مل گیا جس نے کتاب وسنت کے معانی کے خلاف تاویلات کرکے تمام ادیانِ سماوی اور خود اسلام کو ختم کر ڈالنے کی کوششیں شروع کردیں۔

یہ ایک خفیہ تنظیم تھی جو لوگوں کو بتدریج اپنے اسرار سے آگاہ کیا کرتی تھی۔ عبداللہ بن میمون اس کا سرغنہ تھا۔ اسی سے فری میسن اور صلیبی جنگوں میں عیسائیوں کے مشرقی عرب سے تعلقات کے بعد قائم ہونے والی دوسری خفیہ تنظیمیں بنی ہیں۔ یہ تنظیم اپنے سے پہلی تنظیموں کے مقابلے میں بہت اہم تھی اس لئے کہ اس نے اپنے پیغام کو تمام بنی نوع انسان کے لئے عام کردینے کی ضرورت کو محسوس کرلیا تھا جبکہ بابکی تحریک اس سے غافل رہی۔ مرد وزن کی کلی مساوات، ملکیتِ زمین کا ابطال کرکے فقراء میں اس کی مفت تقسیم، نسلی امتیازات کے اصول کی مخالفت کرتے ہوئے تمام قوموں اور طبقات کو مساوات و اخوت کی دعوت دینا، اس تحریک کے بنیادی اصول تھے۔ اس لحاظ سے یہ بابکیت کی طرح صرف اشتراکیت ہی کی قائل نہ تھی بلکہ ہر اعتبار سے کمیونسٹ تحریک تھی، اس مشرقی کمیونزم کا اختیار کردہ طریقۂ کار یہ تھا کہ لوگوں کے دلوں میں جاگزیں مذہبی

عقائد کی مخالفت اور تمام شریعتوں سے دستبرداری کا اظہار کیا جائے۔ پھر تشدد کے ذریعے حکومتِ وقت کا مقابلہ کیا جائے تاکہ اسلامی حکومت اور اس کے تمام نظم ونسق پر انقلابی لوگ قبضہ کر کے اسے اپنے نظریات کے مطابق ترتیب دیں۔ ابن خلدون نے لکھا ہے کہ یہ لوگ بحرین میں ایک چھوٹی سی حکومت قائم کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ یہ وہی حکومت ہے جو ۲۸۱ھ میں ایک قرمطی یحییٰ بن مہدی کے ہاتھوں وجود پذیر ہوئی تھی اور اس نے تمام اسلامی حکومتوں میں اپنی دعوت پھیلائی تھی۔ اس وقت ہمارا مقصود اس کے طور طریقوں اور دہشت پسندیوں کو بیان کرنا نہیں ہمیں صرف یہ بتانا ہے کہ یہ ایک جمہوری اشتراکی انقلاب تھا اور مزدوروں اور کسانوں کی منتخب کردہ ایک قومی مجلس (NATIONAL ASSEMBLY) بحرین کی جمہوری حکومت کے تمام امور کی دیکھ بھال کرتی تھی۔ اس نے اراضی کو تمام ہموطنوں میں تقسیم کر کے جملہ براہ راست ٹیکس معاف کر دیئے تھے، اس میں زمین کا نظام دو قسم کا تھا ایک قسم کی زمینیں وہ تھیں جن کو حکومت اپنی طرف سے مزدوروں کی اجرت دیکر اس کی آمدنی اپنے کام میں لاتی تھی اور دوسری قسم وہ تھی جو کاشت کاروں کو ضروری مدد اور قرض کے ساتھ دے دی جاتی تھی۔ اس جمہوری حکومت نے اس قدر ترقی کی کہ مشہور سیاح ناصر خسرو نے دیکھا کہ بحرین میں کوئی بھکاری نہیں ہوتا تھا۔ تمام تجارت حکومت کے ہاتھ میں تھی۔ ابن حوقل اور دوسرے عرب سیاحوں نے ان کے ملک اور ان کی خوش اخلاقی کا حال بیان کیا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اپنے جیسے قرامطہ کے ساتھ ان کا باہمی تعلق نہایت عمدہ تھا جبکہ اپنے دشمنوں کے ساتھ ان کا ظلم وتشدد مشہور ہے۔ اپنے اس طرزِ عمل میں وہ اشتراکیت کے موجودہ مذاہب کے پیروؤں سے متفق نظر آتے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ جماعت پہلے فاطمیوں کے ساتھ مل گئی تھی لیکن بعد میں ان سے علیحدہ ہو گئی۔ اس لئے کہ یہ اسلام یا دیگر ادیان پر ایمان نہیں رکھتی تھی۔ فاطمیوں نے خود اس کے قیام کے لئے راستہ تیار کیا اور اس سلسلے میں وہی وسائل اختیار کئے جو قرامطہ نے خود ان کے اور دوسری اسلامی ریاستوں کے خلاف اختیار کئے تھے

اس مختصر تحریر سے یہ سمجھ میں آجاتا ہے کہ اس دور کی موجودہ تحریکات بنیادی طور پر کوئی نئی چیز نہیں اور بعض ملکوں میں ان کا کامیاب ہو جانا صرف اس صنعتی ترقی کا نتیجہ ہے جس نے مشین کو سب سے اہم مقام عطا کر دیا ہے۔ قدیم زمانے میں ملک اور محنت کا یکجا ہونا اس کی کامیابی کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ تھا، ان تمام اعتبارات کے باوجود مسلسل ترقی کا غلبہ جاری ہے حتیٰ کہ خود ان نظاموں پر بھی۔ اس لئے کہ مشین اپنی برتری کا سکہ بٹھا رہی ہے اور انسان نے ہر غیر مشینی چیز کو بھلانا شروع کر دیا ہے۔